

مولانا الطاف حسین حالی

(۱۸۳۷ء - ۱۹۱۳ء)

مولانا الطاف حسین حالی پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے اجداد غیاث الدین بلبن کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ نو برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ بھائیوں نے پرورش کی۔ تعلیم کی تکمیل دہلی کے علما کی صحبت میں ہوئی۔ غالب اور شیفتہ کی صحبت سے بطور خاص فیض یاب ہوئے۔ سرسید سے بھی تعلق خاطر قائم ہوا۔ شیفتہ اور غالب کے انتقال کے بعد لاہور آئے اور یہاں پنجاب بک ڈپو میں ملازمت کر لی۔ یہیں وہ انگریزی ادبیات سے متعارف ہوئے۔ جدید طرز کی نظمیں لکھیں اور اردو شاعری کی اصلاح کا بیج بکھارا۔ ۱۸۸۷ء میں سرکار حیدر آباد سے سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہو گیا، تو ملازمت ترک کر کے باقی عمر تصنیف و تالیف میں بسر کر دی۔

حالی کے اسلوب بیان کی سب سے نمایاں خوبی مدعا نگاری ہے۔ حالی کی غرض اپنے مضمون کو ادا کرنے اور مطالب کو وضاحت سے پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ ان کی نثری تحریروں میں اعتدال و توازن کا حامل خیال دکھایا جاتا ہے۔ بے جا اختصار اور بے جا طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے عبارت کو دلکش، سادہ اور مدلل بنانے میں، حالی اپنی مثال آپ ہیں۔ وہ ہر بات کو سنجیدگی اور عقلیت کے ترازو میں تولتے ہیں، تخیل اور جذبات سے دور رہتے ہوئے اپنے خیالات اور حقائق کو قاری تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشید احمد صدیقی نے حالی کے نثری اسلوب کو اردو نثر کا معیاری اسلوب قرار دیا ہے۔

وہ سوانح نگار، مضمون نگار اور نقاد ہیں۔ سرسید احمد خاں کے قریبی اور با اعتماد ساتھیوں میں رہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں ”حیات جاوید“، ”یادگار غالب“، ”حیات سعدی“، ”مقدمہ شعر و شاعری“ اور ”مد و جزر اسلام“ شامل ہیں۔ آخر الذکر کتاب یعنی مد و جزر اسلام ”مسدس حالی“ کے نام سے سب سے مشہور ہوئی۔ ”مقدمہ شعر و شاعری“ (جو دراصل ان کے دیوان کا طویل دیباچہ ہے) جدید اردو نثر کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے۔



سر سید کا بچپن

مدرسی مقاصد

- طلبہ کو سر سید احمد خاں کی ابتدائی زندگی اور بچپن کے اہم واقعات سے روشناس کرانا
- سر سید کے خاندانی پس منظر، تعلیمی ماحول اور شخصیت پر پڑنے والے اثرات کو سمجھنا
- سر سید کے بچپن کے تجربات کا موجودہ دور کے تعلیمی اور سماجی حالات سے موازنہ کرنا
- طلبہ میں تاریخی شخصیات کی سوانح عمری پڑھنے اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا

سر سید کے پیدا ہونے سے پہلے، ان کی بہن صفیۃ النسا بیگم اور ان کے بھائی سید محمد خاں پیدا ہو چکے تھے۔ سید محمد خاں کی ولادت کے بعد، چھ برس تک ان کے والدین کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس لیے سید احمد خاں کے پیدا ہونے کی ان کو نہایت خوشی ہوئی۔ وہ اپنے خاندان کے اکثر بچوں کی نسبت زیادہ قوی اور توانا اور ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے تھے کہ جب اُن کے نانا دوسری بار کلکتہ سے واپسی میں آئے اور ان کو پہلی ہی بار دیکھا تو یہ کہا کہ، ”یہ تو ہمارے گھر میں ایک نیا حیات پیدا ہوا ہے۔“

سر سید کے بیان سے مفہوم ہوتا تھا کہ اُن کے بچپن میں جسمانی صحت اور فزیکل قابلیت کے سوا کوئی ایسی خصوصیت، جس سے ان کے بچپن کو معمولی لڑکوں کے بچپن پر بے تکلف فوقیت دی جاسکے، نہیں پائی جاتی تھی۔ یعنی جیسے کہ بعض بچے ابتدا میں نہایت ذکی اور طباع اور اپنے ہجو لیوں میں سب سے زیادہ تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں، سر سید میں کوئی اس قسم کا صریح امتیاز نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے قوائے ذہنیہ کو محض دماغی ریاضت اور لگا تار غور و فکر سے بتدریج ترقی دی تھی اور اسی لیے ان کی لائف کا آغاز معمولی آدمیوں کی زندگی سے کچھ زیادہ چمک دار معلوم نہیں ہوتا لیکن جس قدر آگے بڑھتے جائے اسی قدر اس میں زیادہ عظمت پیدا ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ ہیر کو معمولی آدمیوں کی سطح سے بالاتر کر دیتی ہے۔ اسی لیے بعض حکما کی یہ رائے ہے کہ محنت سے آدمی جو چاہے، سو کر سکتا ہے۔

الغرض جب سر سید پیدا ہوئے تو ان کے والد نے شاہ غلام علی صاحب سے نام رکھنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب ہی نے بڑے بھائی کا نام ”محمد“ رکھا تھا اور ان کا نام ”احمد“ رکھا۔ سر سید کے دادا، ان کے والد کی شادی ہونے سے پہلے قضا کر چکے تھے اور یہ اور ان کے بہن بھائی شاہ صاحب ہی کو دادا حضرت کہا کرتے تھے۔ سر سید کہتے تھے کہ شاہ صاحب کو بھی ہم سب سے ایسی ہی محبت تھی جیسی حقیقی دادا کو اپنے پوتوں سے ہوتی ہے، شاہ صاحب نے نائیل اختیار نہیں کیا تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ: ”گو خدا تعالیٰ نے مجھے اولاد کے جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے لیکن متقی کی اولاد کی محبت ایسی دے دی ہے کہ اُس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھ کو بے چین کر دیتی ہے۔“

سر سید کو سماء مان بی بی نے جو، ایک قدیم خیر خواہ خادمہ اُن کے گھرانے کی تھی، پالا تھا۔ اس لیے ان کو مان بی بی سے نہایت محبت تھی۔ وہ پانچ برس کے تھے جب مان بی بی کا انتقال ہوا، ان کا بیان ہے کہ مجھے خوب یاد ہے کہ مان بی بی مرنے سے چند گھنٹے پہلے فالسہ کا شربت مجھ کو پلا

رہی تھی۔ جب وہ مر گئی تو مجھے اُس کے مرنے کا نہایت رنج ہوا۔ میری والدہ نے مجھے سمجھایا کہ وہ خدا کے پاس گئی ہے، بہت اچھے مکان میں رہتی ہے، بہت سے نوکر چاکر اس کی خدمت کرتے ہیں اور اس کی بہت آرام سے گزرتی ہے۔ تم کچھ رنج مت کرو۔ مجھ کو ان کے کہنے سے پورا یقین تھا کہ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ مدت تک ہر جمعرات کو اس کی فاتحہ ہوا کرتی تھی اور کسی محتاج کو کھانا دیا جاتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ سب کھانا مان بی بی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس نے مرتے وقت کہا تھا کہ میرا تمام زیور سید کا ہے، مگر میری والدہ اُس کو خیرات میں دینا چاہتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر کہو تو یہ گہنا مان بی بی کے پاس بھیج دوں؟ میں نے کہا ہاں بھیج دو۔ والدہ نے وہ سب گہنا مختلف طرح سے خیرات میں دے دیا۔

بچپن میں سرسید پر نہ تو ایسی قید تھی کہ کھیلنے کودنے کی بالکل پابندی ہو اور نہ ایسی آزادی تھی کہ جہاں چاہیں اور جن کے ساتھ چاہیں، کھیلتے کودتے پھریں۔ ان کی بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ خود ان کے ماموں، ان کی خالہ اور دیگر نزدیکی رشتہ داروں کے چودہ پندرہ لڑکے، ان کے ہم عمر تھے جو آپس میں کھیلنے کودنے کے لیے کافی تھے اس لیے اُن کو نوکروں اور اجلا فوں کے بچوں اور اشرفوں کے آوارہ لڑکوں سے ملنے جلنے اور اُن کے ساتھ کھیلنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ اُن کے بزرگوں نے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ جس کھیل کو تمھارا جی چاہے شوق سے کھیلو مگر کسی کھیل کو چھپا کر مت کھیلو۔ اس لیے سب لڑکے جو کھیل کھیلتے تھے، اپنے بڑوں کے سامنے کھیلتے تھے۔ اُن کے کھیلوں میں کوئی بات ایسی نہ ہوتی تھی جو اپنے بزرگوں کے سامنے نہ کر سکیں۔ خواجہ فرید کی حویلی میں وہ اور ان کے ہم عمر لڑکے رہتے تھے، اُس کا چوک اور اُس کی چھتیں ہر قسم کی بھاگ دوڑ کے کھیلوں کے لیے کافی تھیں۔ ابتدا میں وہ اکثر گیند بٹا، کبڈی، گیزیاں، چیل چلو وغیرہ کھیلتے تھے۔ اگرچہ گیزیاں کھیلنے کو اشرف معیوب جانتے تھے، مگر ان کے بزرگوں نے اجازت دے رکھی تھی کہ آپس میں سب بھائی مل کر گیزیاں بھی کھیلو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ان کا بیان تھا کہ ”باوجود اس قدر آزادی کے بچپن میں مجھے تنہا باہر جانے کی اجازت نہ تھی۔ جب میری والدہ نے اپنے رہنے کی جُدا حویلی بنائی اور وہاں آ رہیں تو باوجودیکہ اس حویلی میں اور نانا صاحب کی حویلی میں صرف ایک سڑک درمیان تھی، جب کبھی میں ان کی حویلی میں جاتا تو ایک آدمی میرے ساتھ جاتا۔ اسی لیے بچپن میں مجھے گھر سے باہر جانے اور عام صحبتوں میں بیٹھنے یا آوارہ پھرنے کا بالکل اتفاق نہیں ہوا۔“

سرسید اپنے کھیل کود کے زمانے میں بہت مُستَعِد، چالاک اور کسی قدر شوخ بھی تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثر شوخی کیا کرتے۔ وہ کہتے تھے کہ ایک بار میں غلطی سے اپنے ایک رشتہ دار بھائی سے لڑ پڑا۔ میرے لڑنے سے اُس کے ہاتھ کی انگلی اُتر گئی اور کئی دن بعد اچھی ہوئی۔ ہمیشہ یوں ہی لڑائی بھڑائی مار کھاتی ہوتی تھی، مگر آخر سب ایک ہو جاتے تھے۔

سرسید لکھتے ہیں کہ میرے نانا صبح کا کھانا اندر زنانے میں کھاتے تھے۔ ایک چوڑا چکلا دھڑکتا تھا۔ بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور بیٹوں کی بیویاں سب اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بچوں کے آگے خالی رکابیاں ہوتی تھیں۔ نانا صاحب ہر ایک سے پوچھتے تھے کہ کون سی چیز کھاؤ گے۔ جو کچھ وہ بتاتا وہی چیز چمچے میں لے کر اپنے ہاتھ سے اُس کی رکابی میں ڈال دیتے۔ تمام بچے بہت ادب

اور صفائی سے اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ سب کو خیال رہتا تھا کہ کوئی چیز گرنے نہ پائے، ہاتھ کھانے میں زیادہ نہ بھرے اور نوالا چبانے کی آواز منہ سے نہ نکلے۔ رات کا کھانا وہ باہر دیوان خانے میں کھاتے تھے۔ میری والدہ اور میری چھوٹی خالہ کھانا کھلانے آتی تھیں۔ ہم سب لڑکے اُن کے سامنے بیٹھتے تھے۔ ہم کو بڑی مشکل پڑتی تھی۔ کسی کے پاؤں کا دھبہ سفید چاندنی پر لگ جاتا تھا تو نہایت ناراض ہوتے تھے۔ روشنائی وغیرہ کا دھبہ کسی کے کپڑے پر ہوتا تھا اُس سے بھی ناخوش ہوتے تھے۔ شام کو چراغ جلنے کے بعد، ان کے پوتے اور نواسے جو کتب میں پڑھتے تھے اور جن میں سے ایک میں بھی تھا، ان کو سبق سنانے جاتے تھے۔ جس کا سبق اچھا یاد ہوتا اُس کو کسی قسم کی عمدہ محضائی ملتی اور جس کو یاد نہ ہوتا اس کو کچھ نہ دیتے اور گھر ک دیتے۔

گرمی اور برسات کے موسم میں اب بھی دلی کے اکثر باشندے سہ پہر کو جمنہ پر جا کر پانی کی سیر دیکھتے ہیں اور تیرنے والے تیرتے ہیں۔ مگر پچاس برس پہلے وہاں اشراف تیرنے والوں کے بہت دل چسپ جلسے ہوتے تھے۔ سرسید کہتے تھے کہ میں نے اور بڑے بھائی نے اپنے والد سے تیرنا سیکھا تھا۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ ایک طرف دلی کے مشہور تیراک مولوی علیم اللہ کا غول ہوتا تھا، جن میں مرزا مغل اور مرزا مغل بہت سربرآوردہ اور نامی تھے اور دوسری طرف ہمارے والد کے ساتھ سوسائٹو شاگردوں کا گردہ ہوتا تھا۔ یہ سب ایک ساتھ دریا میں کودتے تھے اور مجنوں کے ٹیلے سے شیخ محمد کی بائیں تک یہ سارا گردہ تیرتا جاتا تھا۔ پھر جب ہم دونوں بھائی تیرنا سیکھتے تھے اُس زمانے میں بھی تیس چالیس آدمی والد کے ساتھ ہوتے تھے۔ اُنھی دنوں میں نواب اکبر خاں اور چند اور رئیس زادے بھی تیرنا سیکھتے تھے۔ زینت المساجد کے پاس نواب احمد بخش خاں کے باغ کے نیچے جمنہ بہتی تھی، وہاں سے تیرنا شروع ہوتا تھا۔ مغرب کے وقت سب تیراک زینت المساجد میں جمع ہو جاتے تھے اور مغرب کی نماز جماعت سے پڑھ کر اپنے گھر چلے آتے تھے۔ میں ان جلسوں میں اکثر شریک ہوتا تھا۔

تیر اندازی کی صحبتیں بھی سرسید کے ماموں نواب زین العابدین خاں کے مکان پر ہوتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے ماموں اور والد کے شوق کا وہ زمانہ جب کہ نہایت دھوم دھام سے تیر اندازی ہوتی تھی یاد نہیں، مگر جب دوبارہ تیر اندازی کا چرچا ہوا، وہ بخوبی یاد ہے۔ اُس زمانے میں دریا کا جانا موقوف ہو گیا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد تیر اندازی شروع ہوتی تھی۔ نواب فتح اللہ بیگ خاں، نواب سید عظمت اللہ خاں، نواب ابراہیم علی خاں اور چند شاہ زادے اور رئیس اور شوقین اس جلسہ میں شریک ہوتے تھے۔ نواب شمس الدین خاں رئیس فیروز پور جھر کہ جب دلی میں ہوتے تھے تو وہ بھی آتے تھے۔ میں نے بھی اُسی زمانے میں تیر اندازی سیکھی اور مجھ کو خاصی مشق ہو گئی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک دفعہ میرا نشانہ جو تودہ ہے میں نہایت صفائی اور خوبی سے جا کر بیٹھا تو والد بہت خوش ہوئے اور کہا ”مچھلی کے جائے کو کون تیرنا سکھائے۔“ یہ جلسہ برسوں تک رہا، پھر موقوف ہو گیا۔

اہل اللہ اور مقدس لوگوں کی عظمت کا خیال بچپن سے سرسید کے دل میں بٹھایا گیا تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ اکثر شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں جاتے تھے اور شاہ صاحب سے ان کی عقیدت کا رنگ اپنی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مرزا صاحب کے عرس میں شاہ صاحب ایک روپیا ان کے مزار پر چڑھایا کرتے تھے اور اس روپیا کے لینے کا حق میرے والد کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔ ایک دفعہ عرس کی تاریخ سے کچھ پہلے ایک مرید نے شاہ صاحب سے اجازت لے لی کہ اب کی بار نذر کار روپیا مجھے عنایت ہو۔ میرے والد کو بھی خبر ہو گئی۔

جب شاہ صاحب نے رویا چڑھانے کا ارادہ کیا تو والد نے عرض کی کہ حضرت! میرے اور میری اولاد کے جیتے جی آپ نذر کارویا لینے کی اوروں کو اجازت دیتے ہیں! شاہ صاحب نے فرمایا نہیں نہیں تمہارے سوا کوئی نہیں ملے گا۔ اس وقت صغیر سن تھا۔ جب شاہ صاحب نے رویا چڑھایا، والد نے مجھ سے کہا جاؤ رویا اٹھالو، میں نے آگے بڑھ کر رویا اٹھالیا۔

دلی سے سات کوس مغل پور ایک جاٹوں کا گاؤں ہے۔ وہاں سرسید کے والد کی کچھ ملک بطور معافی کے تھی۔ اگر کبھی فصل کے موقع پر اُن کے والد مغل پور جاتے تو ان کو بھی اکثر اپنے ساتھ لے جاتے اور ایک ایک ہفتہ گاؤں میں رہتے۔ سرسید کہتے تھے کہ اس عمر میں گاؤں میں جا کر رہنا، جنگل میں پھرنا، عمدہ دودھ اور دہی اور تازہ تازہ گھی اور جاننیوں کے ہاتھ کی پکی ہوئی باجرے یا مکئی کی روٹیاں کھانا نہایت ہی مزہ دیتا تھا۔

سرسید کے والد کو اکبر شاہ کے زمانے میں ہر سال تاریخ جلوس کے جشن پر پانچ پارچہ اور تین رقوم جواہر کا خلعت عطا ہوتا تھا مگر اخیر میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، انھوں نے دربار کا جانا کم کر دیا تھا اور اپنا خلعت سرسید کو باوجودیکہ اُن کی عمر کم تھی، دلوانا شروع کر دیا تھا۔

سرسید کہتے تھے کہ ایک بار خلعت ملنے کی تاریخ پر ایسا اتفاق ہوا کہ والد بہت سویرے اٹھ کر قلعہ چلے گئے اور میں بہت دن چڑھے اٹھا۔ ہر چند بہت جلد گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا مگر پھر بھی دیر ہو گئی۔ جب لال پودہ کے قریب پہنچا تو قاعدہ کے موافق اول دربار میں جا کر آداب بجالانے کا وقت نہیں رہا تھا۔ داروغہ نے کہا کہ بس اب خلعت پہن کر ایک ہی دفعہ دربار میں جانا۔ جب خلعت پہن کر میں نے دربار میں جانا چاہا تو دربار پر خاست ہو چکا تھا اور بادشاہ تخت پر سے اُٹھ کر ہوادار پر سوار ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے مجھے دیکھ کر والد سے جو اس وقت ہوادار کے پاس ہی تھے، پوچھا کہ ”تمہارا بیٹا ہے؟“ انھوں نے کہا ”حضور کا خانہ زاد۔“ بادشاہ چپکے ہو رہے۔ لوگوں نے جانا کہ بس اب محل میں چلے جائیں گے، مگر جب تسبیح خانہ میں پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ تسبیح خانہ میں بھی ایک چبوترہ بنا ہوا تھا جہاں کبھی کبھی دربار کیا کرتے تھے۔ اُس چبوترے پر بیٹھ گئے اور جواہر خانے کے داروغہ کو کشتی جواہر حاضر کرنے کا حکم دیا۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ بادشاہ نے مجھے اپنے سامنے بلایا اور کمال عنایت سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ دیر کیوں کی؟ حاضرین نے کہا، عرض کرو کہ تقصیر ہوئی۔ مگر میں چپکا کھڑا رہا۔ جب حضور نے دوبارہ پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ سو گیا تھا۔ بادشاہ مسکرائے اور فرمایا بہت سویرے اٹھا کر دواور ہاتھ چھوڑ دیے۔ لوگوں نے کہا آداب بجالاؤ، میں آداب بجالایا۔ بادشاہ نے جواہرات کی معمولی رقمیں اپنے ہاتھ سے پہنائیں، میں نے نذر دی اور بادشاہ اُٹھ کر خاص ڈیوڑھی سے محل میں چلے گئے۔ تمام درباری میرے والد کو بادشاہ کی اس عنایت پر مبارک سلامت کہنے لگے۔ سرسید کہتے تھے کہ اس زمانہ میں میری عمر آٹھ نو برس کی ہو گئی۔

(حیات جاوید)

1

سبق ”سر سید کا بچپن“ کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- i سر سید احمد خاں کی ولادت ان کے بھائی (سید محمد خاں) کی ولادت کے کتنے عرصے بعد ہوئی؟
- ii حکمانے محنت کے بارے میں کیا رائے دی ہے؟
- iii سر سید احمد خاں کے منہ بولے دادا کون تھے؟
- iv مان بی بی کون تھیں اور ان کا سر سید احمد خاں کے بچپن میں کیا کردار تھا؟
- v اپنے بچپن اور لڑکپن میں سر سید احمد خاں کس قسم کے کھیل کھیلتے رہتے تھے؟
- vi سر سید احمد خاں کو بادشاہ کے دربار سے کیا انعام ملا؟

2

درست جوابات کی نشان دہی کریں:

- (i) سر سید احمد خاں کی بہن کا نام تھا: (الف) آصفۃ النساء بیگم (ب) صفیۃ النساء بیگم (ج) زینت النساء بیگم (د) گل آرا بیگم
- (ii) سر سید کا نام رکھا تھا: (الف) شاہ ولی اللہ نے (ب) شاہ عبدالعزیز نے (ج) شاہ غلام علی نے (د) شاہ متقی نے
- (iii) سر سید احمد خاں کے نانا جان صبح کا کھانا کھاتے تھے: (الف) کمرے میں (ب) دیوان خانے میں (ج) زنانے میں (د) مردانے میں
- (iv) سر سید احمد خاں نے تیراکی کا فن سیکھا، اپنے: (الف) والد صاحب سے (ب) بڑے بھائی سے (ج) دوستوں سے (د) عم زاد سے
- (v) مرزا صاحب کے عرس میں شاہ صاحب ان کے مزار پر نذرانہ چڑھاتے تھے: (الف) ایک روپيا (ب) دو روپيا (ج) پانچ روپيا (د) سات روپيا
- (vi) ”ہوادار“ نام ہے ایک: (الف) دیوان خانے کا (ب) زنانے خانے کا (ج) تیز گھوڑے کا (د) پاکی کی قسم کی سواری کا
- (vii) سر سید احمد خاں کے والد کو اکبر شاہ کے زمانے میں جشن کے موقع پر ملے: (الف) پانچ پارچہ جات (ب) تین رقوم جواہر کا خلعت (ج) پانچ رقوم جواہر کا خلعت (د) پانچ پارچہ اور تین رقوم جواہر کا خلعت

3

سبق ”سر سید کا بچپن“ کے اہم نکات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے الفاظ میں خلاصہ تحریر کریں۔



4

درج ذیل الفاظ کی مدد سے پیرا گراف مکمل کریں:

بندرتج، قوائے ذہنیہ، دماغی ریاضت، مفہوم، معمولی، فزیکل قابلیت، طہال، ذکی، صریح امتیاز، بے تکلف، ہجولیوں سرسید کے بیان سے۔۔۔۔۔ ہوتا تھا کہ ان کے بچپن میں جسمانی صحت اور۔۔۔۔۔ کے سوا کوئی ایسی خصوصیت، جس سے ان کے بچپن کو۔۔۔۔۔ لڑکوں کے بچپن پر۔۔۔۔۔ فوقیت دی جاسکے، نہیں پائی جاتی تھی۔ یعنی جیسے کہ بعض بچے ابتدا میں نہایت۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور اپنے۔۔۔۔۔ میں سب سے زیادہ تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں، سرسید میں کوئی اس قسم کا۔۔۔۔۔ نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے۔۔۔۔۔ کو محض۔۔۔۔۔ اور لگا تار غور و فکر سے۔۔۔۔۔ ترقی دی تھی۔

5

مولانا الطاف حسین حالی کی سوانح نگاری پر شبلی نعمانی نے کیا رائے دی تھی؟ تائید یا تردید میں دلائل فراہم کریں۔

6

سبق کے متن میں سے ایسے الفاظ، تراکیب، محاورات اور اصطلاحات کی فہرست تیار کریں جو نئی زمانہ کم استعمال ہوتے ہیں یا سرے سے متروک ہو چکے ہیں۔

7

سرسید احمد خاں کے بچپن کے حالات کا آپ نے مطالعہ کیا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ سرسید کے اس ابتدائی دور سے ان کے مستقبل کی مضبوط علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی شخصیت کا جتنا ملنا ہے یا نہیں؟

8

”مچھلی کے جائے کون تیرنا سکھائے۔“ اس ضرب المثل کی روشنی میں سرسید احمد خاں کو پیش آنے والے واقعے کو بیان کریں۔

9

مندرجہ ذیل پیرا گراف کی تشریح کریں اور خط کشیدہ الفاظ کے معانی بھی لکھیں۔

تیر اندازی کی صحبتیں بھی سرسید کے ماموں نواب زین العابدین خاں کے مکان پر ہوتی تھیں۔ وہ کہتے تھے کہ مجھے اپنے ماموں اور والد کے شوق کا وہ زمانہ جب کہ نہایت دھوم دھام سے تیر اندازی ہوتی تھی یاد نہیں، مگر جب دوبارہ تیر اندازی کا چرچا ہوا وہ بخوبی یاد ہے۔ اس زمانے میں دریا کا جانا موقوف ہو گیا تھا۔

10

درج ذیل الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کریں:

جسمانی صحت	تائیل اختیار کرنا	فی الواقع	مضانقہ	عقیدت
ممنوع	تقصیر	خانہ زاد	معتد	عنایت

11

درج ذیل پیرا گراف کا بغور مطالعہ کریں اور دیے گئے سوالات کے جوابات تحریر کریں:

ان دنوں موسمی اور ماحولیاتی تبدیلیاں دنیا بھر کے لیے ایک بڑا چیلنج بن چکی ہیں۔ درج ذیل حرارت میں اضافہ، جنگلات کی بے تحاشا کٹائی، آلودگی اور گلیشیرز کے پگھلنے کی وجہ سے فطرت کا توازن بگڑنے لگا ہے۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں سیلاب، خشک سالی اور موسمیاتی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے جو انسانی زندگی، حیاتیاتی تنوع اور معیشت کو متاثر کر رہا ہے۔ اگر ہم نے فوری طور پر اقدامات نہ کیے تو آنے والی نسلیں شدید مسائل کا شکار ہو سکتی ہیں۔



- ۱۔ موسمی تبدیلیوں کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟
- ۲۔ موسمیاتی اور ماحولیاتی تبدیلیوں کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟
- ۳۔ ہمیں ماحولیاتی تحفظ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
- ۴۔ عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

علامات وقف

علامات، علامت کی جمع ہے، جب کہ اوقاف، وقف کی جمع ہے۔ وقف کی علامات کا جاننا اور ان کا درست استعمال کرنا بہت ضروری ہے۔ وقف کی علامات عبارت میں موجود مختلف اسموں، ضمیروں، باتوں اور جملوں کو الگ کرتی ہیں۔ اگر یہ علامات نہ ہوں تو عبارت کو پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہو جائے۔

انگریزی نام	شکل	علامات کا اردو نام
Comma	,	سکتہ
Semi-colon	;	وقفہ
Colon	:	رابطہ
Sign of Interogatio	?	استفہامیہ
Colon and Dash	-	تفصیلیہ
Full Stop	.	ختمہ
Sign of Exclamatio	!	ندائے رنجائیہ
Inverted Commas	“ ”	واوین
Brackets	()	قوسین
Oblique	/	ترچھا خط / خط فاصل

- یہ علامت، سب سے کم وقفے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔
- یہ علامت، جملے میں سکتے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔
- یہ علامت، جملے میں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کسی کے قول، فرمان، حوالے سے پہلے اور جملے میں ربط پیدا کرنے کے لیے رابطہ کی علامت استعمال ہوتی ہے۔
- یہ علامت، بیانیہ جملے کے اختتام پر لگاتے ہیں۔
- یہ علامت کسی بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے استعمال ہوتی ہے۔
- یہ علامت، استفہامیہ جملے کے آخر میں لگائی جاتی ہے۔

سکتہ

وقفہ

رابطہ

ختمہ

تفصیلیہ

استفہامیہ



یہ علامت، تحریر و تقریر میں غصہ، حقارت، حیرت، تمنا، ادب، خوف، تعریف و تحسین، خوشی وغیرہ، جیسے جذبات کو ظاہر کرنے پر لگائی جاتی ہے۔

یہ علامت کسی اقتباس کا اندراج کرتے وقت اس قول یا اقتباس کے آغاز اور آخر میں لگائی جاتی ہے۔

یہ علامت، جملہ معترضہ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

یہ علامت ”یا“ کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ یہ علامت دو لفظوں کے درمیان آتی ہے، مثلاً: عدالتی رقانونی وغیرہ۔

روزمرہ، محاورہ اور ضرب المثل

روزمرہ اس بول چال کا نام ہے جو، خاص اہل زبان استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ میں الفاظ کے استعمال کا ایک خاص انداز ہوتا ہے، مثلاً: انیس بیس کا فرق، دو چار ہاتھ وغیرہ۔

دو یا دو سے زیادہ الفاظ کا ایسا مجموعہ، جس سے حقیقی کے بجائے مجازی معنی مراد لیے جاسیں، اسے محاورہ کہتے ہیں، مثلاً: آبرو خاک میں ملانا، آسمان سے باتیں کرنا وغیرہ۔

ضرب المثل عربی زبان کی ترکیب ہے۔ اردو میں اس کے لیے ”کہاوٹ“ کی اصطلاح مستعمل ہے۔ ضرب المثل سے مراد روزمرہ زندگی کے بارے میں ایسا جملہ ہے جو کسی خاص رویے، حقیقت یا اصول کو بیان کرے، مثلاً: اُلٹے بانس بریلی کو، آنکھ اچھل پہاڑ اچھل، اونچی دکان پھیکا پکوان وغیرہ۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- ایک طالب علم سرسید احمد خاں کا فرضی کردار ادا کرے جب کہ دوسرا طالب علم اس سے انٹرویو کی شکل میں سوالات کرے۔
- طلبہ گروپ بنائیں اور ہر گروپ سرسید احمد خاں کے بچپن کے دور کے حوالے سے متاثر کن واقعات بیان کریں۔
- مولانا الطاف حسین حالی کی تحریر کردہ سوانح عمری ”حیات جاوید“ لائبریری سے جاری کروائیں اور اس کا جستہ جستہ مطالعہ کلاس میں پیش کریں۔
- سبق ”سرسید کا بچپن“ میں سرسید احمد خاں کے عہد کی دلی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس دور کے شہروں، قصبوں، کھیل تماشوں، شغل اشغال، شخصیات، زبان و بیان، دربار، طبوسات، پکوان وغیرہ جیسی تہذیبی و تمدنی روایات کے بارے میں تفصیل سے پڑھیں اور کمرہ جماعت میں گفتگو کریں۔

اشارات تدریس

- سرسید احمد خاں کی شخصیت اور خدمات کے حوالے سے طلبہ کو بتائیں اور ان سے گفت گو بھی کریں۔
- طلبہ کو بتائیں کہ بچپن کی محنت اور رہ نمائی مستقبل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔
- طلبہ سے کہیں کہ وہ اپنے دو یا بچپن کا مولانا سرسید احمد خاں کے دور سے کریں۔